شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ
رحیمیہ
لاہور

بانی: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ
قدس اللّٰہ سِرّہُ السّعید مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیرِ اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

مجلس ادارت
سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

ستمبر 2016ء / ذوالحج 1437ھ جلد نمبر 8، شمارہ نمبر 9 - قیمت: 20 روپے سالانہ ممبرشپ: 200 روپے - تین سالہ ممبرشپ: 500 روپے

فہرست مضامین

- حج کے احکام میں پانچ اَخلاقی اصولِ تربیت
- حج کی اہمیت اور مقصد
- حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی بصیرت
- کائنات میں جاری قوتوں کا غیر متبدل نظام
- سادہ طرزِ زندگی اور تربیتی نظام
- ٹیکس نیٹ
- حضرت شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کا عصری شعور
- مکۃ المکرّمہ کی بڑی بنیادی شان امن وامان ہے
- قربانی کی حقیقت؛ اللّٰہ کی بڑائی کا اعلان ہے
- قربانی کا مقصود؛ دلوں کو پاکیزہ بنانا ہے
- دینی اعمال کا مقصود؛ رسم کی بجائے نظم وضبط اور ڈسپلن ہے
- امامِ دوراں حضرت شاہ سعید احمد رائے پوریؒ
- احکام ومسائل قربانی وعیدالاضحیٰ
- ادارہ رحیمیہ لاہور میں اجتماعی قربانی کا انتظام
- قربانی کے موقع پر ادارہ رحیمیہ سے تعاون کریں!

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ
مسند نشینِ ثانی
خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

ایک مولوی صاحب کا سوال تھا کہ اب جو صورت وُصول إلیٰ اللّٰہ (اللّٰہ سے تعلق قائم کرنے) کی نکالی گئی، وہ ذہنوں کے تنزل کے باعث ہے یا ترقی کے باعث ہے؟

(حضرت والاؒ نے) فرمایا کہ: ''اس میں ترقی اور تنزل کو دخل نہیں ہے۔ ہر زمانے کے مناسب حال رنگ ہوتا ہے اور اب نہ زوائد کی ضرورت ہے اور نہ زوائد کا اس وقت اتنا علم ہوا، جتنا تجربات سے بعد میں ہوا اور زوائد (ضرورت سے زائد اُمور) ترک کردیے گئے۔

اب وُصول إلیٰ اللّٰہ حج کے آسان ہونے کی طرح بالکل آسان ہوگیا ہے۔ اب تو کچھ خواہشات کو دبانا اور کچھ (ذکر و اذکار) کرنا کرانا' اس سے وصول ہوجاتا ہے۔ باقی اس کا یہ مطلب نہیں کہ پھر کچھ نہیں کرنا، (ذکر و اذکار) کرنا تو یہاں عمر بھر کا ہے۔''

(مجلس: یکم صفر المظفر ۱۳۶۶ھ/ 26 دسمبر 1946ء۔ مقام: ڈھڈیاں)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص: 343۔ طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ ٹرسٹ لاہور

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

رقومات کی ترسیل بنام ''ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ ٹرسٹ لاہور'' اکاؤنٹ نمبر 0010030341820010 الائیڈ بینک مزنگ چونگی برانچ لاہور، برانچ کوڈ 0533

درسِ قرآن

تفسیر: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ

حج کے احکام میں پانچ اَخلاقی اصولِ تربیت

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۚ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾ (2:98-197)

(حج کے چند مہینے ہیں معلوم، پھر جس نے لازم کرلیا اس میں حج تو بے حجاب ہونا جائز نہیں عورت سے اور نہ گناہ کرنا اور نہ جھگڑا کرنا حج کے زمانے میں۔ اور جو کچھ تم نیکی کرتے ہو، اللہ اس کو جانتا ہے۔ اور زادِ راہ لے لیا کرو کہ بے شک بہتر فائدہ زادِ راہ کا سوال سے بچنا ہے۔ اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقل مندو! اور کچھ گناہ نہیں تم پر کہ تلاش کرو فضل اپنے ربّ کا۔ پھر جب طواف کے لیے لوٹو عرفات سے تو یاد کرو اللہ کو مشعر الحرام کے نزدیک، اور اس کو یاد کرو جس طرح تم کو سکھلایا۔ اور بے شک تم تھے اس سے پہلے ناواقف۔)

حج کے تین مہینے ہیں: (۱) شوال، (۲) ذوالقعدہ، (۳) ذوالحجہ اور جو حج کا ارادہ کرکے جنگی تربیت گاہ کی طرف چلے تو اس کے لیے لازمی ہے کہ:

1۔ وہ **فَلَا رَفَثَ**: عورتوں کے متعلق کوئی بُری بات زبان پر نہ لائے گا۔ یعنی بدکاری سے بچے۔

2۔ **وَلَا فُسُوْقَ**: کوئی بے قانونی بات نہ کہے۔

3۔ **وَلَا جِدَالَ** أي فی ذالک المیدان: اس میدانِ (عرفات) میں کسی قسم کا جھگڑا وغیرہ نہ کرے۔ کیوں کہ اسی طرح کے میدانِ جنگ میں اسے اُخوّت و اِتفاق کا سبق دیا جا رہا ہے۔ غرض جو شخص ان تین مہینوں میں ایسی فوجی تربیت حاصل کرے اور بُری باتوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھے تو ایسا آدمی جہاد کے لیے بہترین کارآمد ہوگا۔ اسے اَخلاقی سبق دے دیے گئے ہیں اور اس کی ہمّت اور طاقت کو عُمدہ کاموں میں صَرف کیا گیا ہے۔

4۔ **وَتَزَوَّدُوْا** (اور زادِ راہ لے کر چلو، یعنی): اپنا مالی بوجھ دوسروں پر مت رکھو۔ دوسروں کو تنگ نہ کرو، بلکہ اپنا بوجھ خود اٹھاؤ۔ کیوں کہ اس سے تمھیں عالی ہمتی، وسعت نظری اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا سبق ملے گا۔

5۔ **وَاتَّقُوْنِ** (اور مجھ سے ڈرتے رہو، یعنی): قانونِ الٰہی کی پابندی کرو۔ کیوں کہ تمھاری زندگی کا راز اسی میں مضمر ہے۔ (تربیت کا اصل) مرکز تو درحقیقت فوجی تربیت گاہ ہے، مگر اسے بین الاقوامی تجارتی مرکز بھی مقرر کیا گیا۔

(تفسیر المقام المحمود، ص 356)

درسِ حدیث

از مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

حج کی اہمیت اور مقصد

عن ابی هریرةؓ قال: سُئل رسول ﷺ: أَىُّ الْاَعمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: "الایْمَانُ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ." قِيْلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: "اَلْجِهَادُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ." قِيْلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: "حَجٌّ مَّبْرُوْرٌ." (صحیح بخاری، حدیث نمبر1447)

(حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ: کون سے اعمال افضل ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔" پھر عرض کیا گیا: اس کے بعد کون سا عمل؟ فرمایا: "اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔" پھر عرض کیا گیا: اس کے بعد کون سا عمل؟ فرمایا: "مقبول حج۔")

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں: "اس حدیث میں ایسی فضیلت کا بیان ہے، جو اللہ کے دین کی عظمتِ شان اور اس کے شعائر کے غلبے کے اعتبار سے ہے۔ اس حوالے سے ایمان کے بعد جہاد اور حج سے بہتر کوئی چیز نہیں۔"

حدیث میں مذکور تینوں اعمال غلبہ دین کے حوالے سے مسلمان کی زندگی میں نہایت اہم ہیں۔ ایمان؛ دینی زندگی کے لیے بیج، اس کی آب یاری اور پھل آنے تک کے تمام مراحل کا احاطہ کرتا ہے۔ جہاد؛ مومن کی دینی زندگی کا وہ اونچا عمل ہے جو عقائد و عبادات، شریعت اور اجتماعی زندگی کو غالب کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ جب کہ حج؛ ایمان و جہاد کا مجموعہ ہے۔ جو آئندہ زندگی میں شعائر اللہ کے غلبے کے لیے انسان کو شاہراہِ اسلام پر پوری ہمت سے گامزن کرنے میں مہمیز کا کام کرتا ہے۔

حج؛ ایسا اجتماعی عمل ہے جو ایمانی ارادے کی پختگی، خیالات کی پاکیزگی، نفس کی اصلاح، جسمانی، مالی اور وقت کی قربانی پر مشتمل ہے۔ گویا حج عقائد وعبادات اور تمام احکاماتِ شرعیہ کے ظاہر و باطن کی روح کو لیے ہوئے ہے۔ حج میں انسان دین کے تمام احکام سے شعوری وابستگی اور ان پر عمل کرنے کا والہانہ اظہارِ محبت کرتا ہے۔ حج کی نیت اور احرام سے لے کر آخر تک تمام اعمال، دین سے گہری وابستگی کو عیاں کرتے ہیں۔ کئی دن تک لبّیک اللّٰھم لبّیک کی صدائیں انسان کو پروردگار کے سامنے قلب و دماغ کی حضوری پر پختہ کرتی ہیں۔ انسان حج پر جانے والے مسلمانوں کے ساتھ پروردگار کے حضور اجتماعی طور پر حاضر ہوتا ہے۔ اس طرح وہ تمام انسانیت کی بھلائی کے لیے کردار ادا کرنے کا عزم کرتا ہے۔ یہ گہرا شعور اور پختہ عزم وارادہ انسان کے اندر کو اقوامِ عالم سے ہمدردی اور ان کے حقوق کے قیام کا جذبہ موجزن کرتا ہے۔ یوں حج ایسا بین الاقوامی اجتماع ہے جو انسان کو بلا تفریق رنگ، نسل اور مذہب تمام انسانوں کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی مسائل کے حل کے لیے اپنا کردار ادا کرنے کی ہمت اور جذبہ پیدا کرتا ہے۔ جب حج ادا کرنے والے کے دل و دماغ میں عشقِ الٰہی کی بنیاد پر ایمان کی پختگی، انبیا علیہم السلام کی اتباع کا انقلابی طریقہ اور اجتماعیت کا جذبہ سما جاتا ہے تو اس نے اپنی تمام دینی ذمہ داریوں کو پورا کرلیا۔ ایسا نتیجہ خیز حج مَبْرُوْر یعنی مقبول حج کہلاتا ہے۔

اداریہ

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی بصیرت

اس سال 26 ستمبر 2016ء کو پاکستان میں ولی اللّٰہی فکر کے سرخیل، سلسلۂ رائے پور کے چوتھے رہنما حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کو ہم سے جدا ہوئے چار سال ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کے مشن ''خدا پرستی کی اساس پر انسان دوستی کی جدوجہد'' کے لیے قبول فرمائے۔

وطنِ عزیز پاکستان تاریخ کے جس موڑ پر آج کھڑا ہے، ایسے میں ان کے صدا بہار افکارِ عالیہ سے استفادہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ کیوں کہ قوموں کا حال ان کے ماضی سے ہی جنم لیتا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد کے ماضی نے عاقبت نااندیش قیادت اور ان کی پالیسیوں کے سبب جن تشویش ناک حالات کو جنم دیا ہے، ان کا اظہار بہت پہلے حضرت شاہ سعید احمد رائے پوریؒ نے اپنی بصیرت کی روشنی میں کیا تھا۔ کیوں کہ وہ زندگی بھر مقتدر حلقوں اور ان کے ہم نواؤں کی سامراجی اور انسانیت دشمن پالیسیوں کو مثبت تنقید کا نشانہ بناتے رہے۔ آج جب کہ حالات نے بہت بڑی کروٹ لے لی ہے، جس نے پاکستان کی گزشتہ خارجی و داخلی پالیسیوں کو یکسر ردّ کر دیا ہے اور پاکستان کے سول اور عسکری اداروں کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ اپنی گزشتہ پالیسیوں پر تنقیدی نگاہ ڈالتے ہوئے ان پر نظرِ ثانی کریں تو ایسے میں ہمارے ہاں فکر و دانش کے اب ایسے زاویے بھی زیرِ بحث آنے لگے ہیں، جن پر کل تک بات کرنا 'ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا، لیکن اب ان ایشوز پر بات کرنا اور انھیں قومی تقاضوں کے مطابق حل کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت قرار دیا جا رہا ہے۔ حضرت اقدس شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کا یہ اعزاز ہے کہ انھوں نے جن افکار و خیالات کا اظہار ستر اور اسّی کی دہائی میں کیا اور اُس وقت ان کی بات پر دھیان نہ دیا گیا، لیکن آج قومی ادارے اور ریاست اسی حکمتِ عملی کو ملک اور قوم کے لیے ناگزیر قرار دے رہے ہیں۔ علاوہ ازیں پاکستان کے وہ دینی حلقے جن کا نظریاتی قبلہ درست نہ تھا اور حالات کے دھارے میں بہے چلے جا رہے تھے، آج وہ بھی اپنے نظریاتی مُصلّوں کو کسی دوسری سمت کھسکانے میں مصروف ہیں، لیکن قوم کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف ان کے مزاج پہ گراں ہے۔

1980ء کے بعد حضرت رائے پوریؒ ہی کی رہنمائی میں ان کے ایک نیاز کیش عالم دین اور مفتی صاحب نے ملک کی معروف دینی درس گاہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال سے ملک میں بڑھتی ہوئی ''جہادی سرگرمیوں'' اور ملک میں قائم ''بدترین ضیاء آمریت'' کے بارے میں مقتدر حلقوں کے علی الرغم فتویٰ دیا تھا۔ جو اس وقت بنی فضا میں یقیناً ایک اجنبی آواز تھی، لیکن بعد کے حالات نے اسے درست اور صائب ثابت کر دیا۔ ایسے ہی سینکڑوں دانش وروں نے جو آپؒ کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوئے تھے، اپنی اپنی جگہ حالات کے جبر کے باوجود فکر و خیال کی شمعیں جلائے رکھیں اور ان خیالات کا اظہار کرتے رہے جو اس وقت کی مسلط مقتدرہ اور ان کے ہم نوا مذہبی و سیاسی مصاحبوں کو قطعاً پسند نہ تھے۔ حضرتؒ برعظیم کی آزادی پسند خانقاہ رحیمیہ رائے پور کے جانشین تھے۔ انھوں نے روایتی خانقاہوں کے جانشینوں کی طرح چند رسمی امور تک اپنے آپ کو محدود نہیں رکھا، بلکہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر کے اتباع میں تصوف کی اصل حقیقت ''رضائے الٰہی اور خدمتِ انسانیت'' کے لیے قوم کی اجتماعی زندگی کے سب دائروں کو موضوع بحث بناتے ہوئے پاکستان کے دانشورانہ حلقوں پر اپنے گہرے اثرات مرتب کیے۔ الحمدللہ! آج بہ خوبی ان اثرات کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔

حضرت شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے فکر و خیال کے چند مرکزی نکات مندرجہ ذیل ہیں، جن سے آج درپیش حالات میں بہ خوبی رہنمائی لے جا سکتی ہے:

☆ دینِ اسلام کے آفاقی پیغام کے بارے میں ان کا ارشاد تھا کہ:

''اسلام امن و آشتی، عدل و انصاف، ترقی و خوش حالی، رواداری اور انسان دوستی کا دین ہے۔ وہ انسانوں میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کر کے انھیں مشترک اقدار پر جمع کرنے کے بعد سماجی ترقی کا انسانی وژن عطا کرتا ہے۔ میثاقِ مدینہ اس کی بہترین مثال ہے۔ سیرت النبی ہماری بہترین رہنما ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی ظالم حکومت ختم کی، لیکن لوگ اپنے عقیدے میں آزاد تھے۔ ان پر کسی بھی طرح کے مذہبی جبر کو روا نہیں رکھا گیا، بلکہ قرآنی اصول کے تحت **لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ** (256:2) کو ایک مستقل اصول قرار دے دیا گیا۔''

☆ ان کا مذاہب کی تعلیمات کے بارے میں یہ خیال تھا کہ:

''سارے مذاہب کی اصل بھائی چارہ اور کمزور طبقوں کے حقوق کا تحفظ ہوتا ہے۔ اور سارے مذاہب بقائے باہمی کے اصول پر کاربند رہنے ہی کو بقائے انسانیت کے لیے لازمی قرار دیتے ہیں۔ فساد اور فرقہ واریت؛ مفاد پرست اور جاہ طلب مخصوص مذہبی طبقوں اور حکمرانوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، جو مذاہب کی مقدس تعلیمات کو اپنے ذاتی مفادات کے لیے استعمال کرتے ہیں۔''

☆ سیاست میں وہ سرمایہ داری اور جاگیرداری کے سخت ناقد تھے۔ وہ اسلام کو کمزور اور پسے ہوئے طبقوں کا مسیحا قرار دیتے تھے۔ دنیا بھر میں جمہور عوام کے نام پر سرمایہ دارانہ نظام کے تسلط کو وہ مغرب کی سرمایہ دارانہ جمہوریت کا بدترین چہرہ قرار دیتے تھے۔ وہ اس دور میں پاکستان سمیت تیسری دنیا کے ممالک کی ترقی 'قومی جمہوری نظام کے قیام میں دیکھتے تھے۔

☆ علاقائی امن و استحکام کو خراب کرنے والے عوامل، خواہ اس کی جڑیں مذہبی جھگڑوں میں ہوں یا عالمی سامراجی سازشوں کا شاخسانہ، اس کی وہ حوصلہ شکنی کرتے تھے۔ ہر ملک کی ترقی اور خوش حالی کے لیے پڑوسی ممالک کے ساتھ بقائے باہمی کے اصول کو لازمی قرار دیتے تھے۔ (بقیہ ص 10 پر)

افکارِ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ

کائنات میں جاری قوتوں کا غیر متبدل نظام

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

{حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ برعظیم پاک و ہند کی عظیم ترین شخصیت ہیں۔ انھوں نے اٹھارہویں صدی عیسوی میں انقلابی افکار اور تعلیمات انسانیت کے سامنے پیش کیے ہیں۔ انھوں نے اپنی کتابوں میں بلند پایہ افکارِ عالیہ قلم بند کیے۔ یوں دوسرے ہجری ہزارے میں دینِ حق کی سچی تعلیمات پر مبنی اللہ کی حجت و برہان کو بڑے واضح دلائل کے ساتھ بیان فرمایا۔ اُن کے بیان فرمودہ افکارِ عالیہ آج بھی اپنے اندر تازگی رکھتے ہیں۔ یہ افکارِ عالیہ نئی سیاسی، سماجی اور معاشی تشکیل کے لیے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ نیز شریعت و طریقت کی رہنمائی پر مبنی جامع تعلیمات ہیں۔ مترجم}

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ "حُجّة الله البالغه" میں تحریر فرماتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں جاری قوتوں کا ایک غیر متبدل نظام قائم کیا ہے۔ ایک ترتیب کے ساتھ ان کی کسی نہ کسی پہلو سے فعالیت کے بعد ہی اللہ کے بعض کام وجود میں آتے ہیں۔ اس کی شہادت قرآن وسنت اور عقلی دلائل دیتے ہیں:

(قرآن پاک میں آیا ہے) وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝ (23:48) (تم اللہ کے جاری کردہ طریقے میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو مٹی کی ایک ایسی مٹھی سے پیدا کیا، جسے اُس نے تمام زمین سے اپنے قبضہ قدرت میں لیا تھا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آدمؑ کی اولاد جیسی مٹی تھی، ویسی ہی وجود میں آئی۔ اسی لیے کالے، گورے اور گندم گوں مختلف رنگ کے انسان پیدا ہوئے۔ مٹی کی ساخت کی وجہ سے ہی مختلف طبیعتوں کے حامل؛ نرم مزاج، غمگین، پاکیزہ اور بداخلاق لوگ پیدا ہوتے ہیں۔'' (مشکوٰۃ، حدیث نمبر 100) حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے حضورؐ سے سوال کیا کہ: ''بچہ اپنے باپ یا ماں کے مشابہ کیوں ہوتا ہے؟'' آپؐ نے فرمایا: ''جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آجاتا ہے تو لڑکا پیدا ہوتا ہے۔ جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آجاتا ہے تو لڑکی پیدا ہوتی ہے۔'' (بخاری، حدیث نمبر 3938)

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جب تلوار کے وار یا زہر سے کوئی آدمی مرتا ہے تو سب اس کی موت کو تلوار کی کاٹ اور زہر کا اثر ہی قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح سب جانتے ہیں کہ بچے کی پیدائش اُسی وقت ہوتی ہے جب رحم میں منی جائے۔ اسی طرح درخت اور پھل تبھی پیدا ہوتے ہیں، جب بیج کاشت کیا جائے، اُسے پانی وغیرہ لگایا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی صلاحیت کے سبب ہی انسانوں کو شریعتوں اور قوانین کا پابند بنایا گیا ہے۔ انھیں کچھ کاموں کے کرنے کا حکم ہے، جب کہ کچھ کاموں سے روکا گیا ہے۔ پھر جیسا عمل کریں گے، ویسی ہی جزا یا سزا پائیں گے۔

کائنات کے نظام میں کام کرنے والی غیر متبدل قوتیں درج ذیل ہیں:

1۔ مادی عناصر (Elements) کے طبیعی خواص اور اُن کے اثرات ونتائج۔

2۔ ہر ایک نوع کے بنیادی خواص اور اُن کے نوعی تقاضے۔

3۔ عالمِ مثال کے پیدا کردہ احوال واثرات۔ چیزوں کے اس کرۂ ارض پر وجود میں آنے سے پہلے عالم مثال میں ان کا وجود ہوتا ہے۔

4۔ ملاءِ اعلیٰ کی دعاؤں کے اثرات: اپنے نفس کو مہذب بنانے اور انسانیت کی فلاح کی جدوجہد کرنے والوں کے لیے ملاءِ اعلیٰ میں پوری ہمت سے دعائیں ہوتی ہیں۔ آلودگی میں مبتلا نفوس اور انسان دشمن لوگوں کے لیے ملاءِ اعلیٰ کی ناراضگی ہوتی ہے۔

5۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہونے والی شریعتیں جو حلال وحرام بتلاتی ہیں، ان کے فرماں بردار انعامات کے مستحق اور نافرمان سزا کے مستوجب ہوتے ہیں۔

6۔ ایک کام کو وجود میں لانے کا فیصلہ کسی دوسرے کام کے وجود کا سبب بن جاتا ہے۔ ایسا کرنا نظام کا لازمی تقاضا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی خلاف ورزی کو پسند نہیں کرتا۔

اس قانون کی بنیاد حضور ﷺ کے اس قول پر ہے: ''جب اللہ تعالیٰ کسی زمین میں کسی انسان کی موت کا فیصلہ کرتا ہے تو اُس کے دل میں وہاں جانے کی حاجت پیدا کر دیتا ہے۔'' (مشکوٰۃ المصابیح، حدیث نمبر 110)

کائنات کے نظام میں کارفرما ان غیر متبدل قوتوں کی فعالیت' احادیث کے مطالعے سے بھی معلوم ہوتی ہے اور عقل بھی اسی کا تقاضا کرتی ہے۔

یہ بات بھی پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ ان تمام قوتوں کے سبب سے عرفِ عام میں جو نتائج پیدا ہونے چاہئیں، بعض اوقات انھیں روبہ عمل لانا ممکن نہیں ہوتا۔ ایسے وقت میں اللہ کی حکمت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ کائنات کی مجموعی بھلائی سے قریب تر نتیجہ پیدا کیا جائے۔ اسی کو حدیث میں ''میزان'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے ہاتھ میں میزان ہے۔ اس کے ایک پلڑے کو اوپر اٹھاتا ہے اور دوسرے پلڑے کو نیچے جھکاتا ہے۔'' (بخاری ومسلم) اور اسی کو اس آیت میں ''شان'' سے تعبیر کیا گیا ہے: كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۝ (29:55) (ہر دن اُس کی ایک نئی شان ہے۔)

کائنات میں جاری ان قوتوں کے سبب سے پیدا ہونے والے نتائج میں اگر باہم ٹکراؤ ہو تو کبھی زیادہ طاقت ور قوت کو دوسری قوت کے نتیجے پر ترجیح دی جاتی ہے۔ کبھی قوتوں کے نتائج کو دیکھ کر انسانیت کے لیے زیادہ نفع بخش کو ترجیح دی جاتی ہے۔ بہرحال یہ بات ضروری ہے کہ ''تخلیق'' کے دائرے سے متعلق اُمور کو ''تدبیر'' کے دائرے پر مقدم رکھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اَور بھی ترجیح کی وجہ ہوسکتی ہے۔

ہمارا حال یہ ہے کہ کائنات میں جاری قوتوں کے تمام اسباب کا احاطہ کرنے سے ہمارا علم قاصر ہے، اور ان قوتوں کے باہم ٹکراؤ کے موقع پر سب سے زیادہ بہتر کا علم ہمیں حاصل نہیں ہوسکتا، لیکن ایک بات ہم قطعی طور پر جانتے ہیں کہ کائنات میں جو چیز بھی اللہ کی طرف سے وجود میں آتی ہے، اس کا موجود ہونا ہی سب سے بہتر ہوتا ہے۔ جو آدمی اس حقیقت پر یقین حاصل کرلے، وہ بہت سے مشکل سوالوں کے جوابات کی مصیبت سے بچ جاتا ہے۔'' (باب ذكر سُنّة الله التي أشير إليه في قوله تعالى: "و لن تجد لسنّة الله تبديلا")

سادہ طرزِ زندگی اور تربیتی نظام

ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ، لاہور

کسی بھی سماج میں حقیقی قیادت اپنی صلاحیتوں اور وسائل کو قومی امانت سمجھ کر استعمال کرتی ہے۔ ترقی یافتہ اقوام کے حکمران سادہ طرزِ زندگی اختیار کرتے ہیں، جب کہ غلام اور پس ماندہ معاشروں کے اُمرا نہایت ٹھاٹھ باٹھ اور کرّ وفرّ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ خلافتِ راشدہ کا دور اس حوالے سے نہایت زرّیں اور درخشاں روایات کا حامل رہا ہے کہ اُس زمانے میں نظم ونسق چلانے والے لوگ بالکل عوام الناس جیسے طرزِ زندگی کے حامل رہے۔ بعد کے اَدوار میں بھی کم وبیش انھی روایات کی پاسداری کی گئی۔ اولیاء اللہ اور علمائے ربانیین کی زیرنگرانی خانقاہی تربیتی نظام میں حکمران طبقے کو ذاتی زندگی میں سادگی اپنانے کی تربیت دی جاتی اور مال ومرتبہ کو محض انسانی فلاح کے لیے استعمال کرنے کا درس دیا جاتا تھا۔ چناں چہ کتنے ہی حکمران ذاتی مصارف کی خاطر کسی نہ کسی پیشے کو اختیار کرتے رہے۔ اسی اندازِ تربیت کا نتیجہ تھا کہ تاریخ اسلام کے عظیم ترین فرماں روا ہارون الرشید کے صاحبزادوں کو ان کا اتالیق عام لوگوں کی مشکلات سمجھانے کے لیے محنت اور مشقت کے کام کراتا تھا کہ بہ طورِ حکمران انھیں عوام کی مشکلات کا احساس رہے۔ اسی طرح سے اورنگزیب عالمگیرؒ نے جب اپنے ایک مہمان سے دریافت کیا کہ تم میرے مہمان بننا پسند کرو گے یا شاہی مہمان؟ اس نے بادشاہ کا ذاتی مہمان بننا پسند کیا تو وہ دسترخوان سادگی کی ایک مثال تھا۔

اس کے برعکس کرپشن اور قومی وسائل کی لوٹ کھسوٹ کے طریقے آج ہمارے حکمران طبقے کا طرۂ امتیاز ہیں۔ ماضی اور حال کے اُمرا کے اس طرزِ عمل میں بنیادی فرق درحقیقت ان مقاصد واہداف کا ہے، جو دورِ عروج کے تربیتی نظام اور دورِ غلامی کے تربیتی نظام میں پایا جاتا ہے۔ آزاد اور اعلیٰ انسانی نصب العین کی حامل اَقوام کا نظامِ تربیت اپنے اُمرا کو متوسط طرزِ زندگی اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے، تاکہ عوام الناس کے مسائل کو حل کرنے کی استعداد پیدا ہو سکے۔ جب کہ ایک غلام قوم پر اغیار کا مسلط تعلیمی نظام محض نمود ونمائش اور تعیش پسندی کے رویے پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا اس کے اُمرا اور حکام محض وسائل پر گرفت مضبوط کرنے اور قومی خزانے کو ہڑپ کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔

آج ہمارے معاشرے میں بلند معیارِ تعلیم کا تصور محض پُرآسائش عمارتوں، دیدہ زیب کتب اور خوب صورت یونیفارم تک محدود ہے۔ آسائش اور سہل پسندی کو طبیعتوں میں راسخ کر دیا جاتا ہے اور انھی آسائشوں کا حصول مقصدِ زندگی قرار پاتا ہے۔ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ: ''آج کے نوجوان کا معیارِ زندگی مصنوعی طور پر بلند کر دیا جاتا ہے۔ اس کو عوام سے کاٹ دیا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ محض حکمران طبقے کے آلہ کار کے طور پر استعمال ہوتا رہتا ہے۔'' ضرورت اس امر کی ہے کہ نوجوانوں کی تربیت اس انداز سے کی جائے کہ وہ اپنی صلاحیتوں اور قومی وسائل کو امانت سمجھتے ہوئے قومی ترقی میں اپنا کردار ادا کریں۔

ٹیکس نیٹ

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

میڈیا میں شور ہے کہ پاکستانی عوام ٹیکس نہیں دیتے۔ عالمی معیار کے مطابق کُل آبادی کا 20 فی صد ٹیکس دے تو ترقی ممکن ہے، جب کہ محض 9 فی صد پاکستانی عوام ہی ٹیکس دیتی ہے۔ لیکن یہ نہیں بتایا جاتا کہ عالمی معیار سے ٹیکس کا جو استعمال ہے، وہ کیا ہے؟ کیا عوام کے فرائض ہی ہیں، حقوق کوئی نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے غریب عوام اپنا پیٹ کاٹ کر اس نااہل حکمران اشرافیہ کو لوٹ مار اور غلط فیصلوں کا ٹیکس دیتے ہیں۔ بازار سے خریدی گئی ہر پیک چیز پر سیلز ٹیکس ہے۔ سڑک پر سفر کرنے پر دوہرے ٹیکس کا نفاذ ہے۔ صاف پانی، بہتر تعلیم وصحت کے حصول، بہتر رہائشی وسکیورٹی کی سہولت پر ٹیکس ہے اور اس ادا کیے گئے ٹیکس کے بدلے جو سہولتیں حکومت نے فراہم کرنی ہیں، وہ سب بھی عوام کی اپنی ذمہ داری ہے۔ اور اگر حکومت کچھ کام کر بھی لے تو اتنا احسان جتایا جاتا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محبوب لیڈر نے اپنی جیب سے دیا ہے۔ اس ٹیکس نیٹ کو بڑھانے کی آڑ میں اُن تمام شعبوں پر تدریجاً ٹیکس لگایا جا رہا ہے، جو سال ہا سال سے ایک بہت بڑی تعداد میں لوگوں کے روزگار کا ذریعہ تھے۔ سالانہ اخراجات کو پورا کرنے کے لیے کم تعداد میں موجود مال داروں سے زیادہ ٹیکس لینے کا نظام بنانے کے بجائے بہت بڑی تعداد میں غریب ومسکین عوام سے کم ٹیکس لینا زیادہ آسان ہے۔ ایک تو یہ عوام محنت سے دن رات ایک کر کے آمدن پیدا کرتے ہیں اور بعد میں حکومت کی طرف سے زبردستی اور ناانصافی پر مبنی ٹیکس وصولی کو چیلنج نہیں کرتے۔

پاکستان میں حکمران اشرافیہ کی واضح حکمتِ عملی ہے، جس کے مطابق اُن کی زیادہ تر جائیداد اور کاروبار ملک سے باہر ہیں، تاکہ کسی بھی شعبے میں ٹیکسوں کی صورت میں لوٹ مار جاری رکھی جا سکے۔ چناں چہ جس شعبے میں عوام کی شمولیت بڑھ جاتی ہے اور معاشرے کا ایک بڑا حصہ اُس سے وابستہ ہو جاتا ہے، وہاں ہمارے ماہر سیاست دان اور بیوروکریٹس اپنا حصہ بہ صورتِ ٹیکس وصولنے آدھمکتے ہیں۔ ایسی ہر کاوش میں شوشہ تو ٹیکس نیٹ بڑھانے کا چھوڑا جاتا ہے، لیکن پس پردہ عزائم کچھ اَور ہوتے ہیں۔

حالیہ بجٹ میں پراپرٹی کی خرید وفروخت پر جو ٹیکس لگایا گیا ہے، اُس کے بعد پورے ملک میں اس حوالے سے ہلچل سی مچی ہوئی ہے۔ اس ٹیکس کے نفاذ کے اعلان کے بعد سے دو ماہ کے اندر اندر اربوں ڈالر بیرونِ ملک خصوصاً دبئی سرمایہ کاری کی غرض سے منتقل کیے جا چکے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق اپریل 2016ء تک صرف دبئی میں 8.4 ارب درہم کی سرمایہ کاری کا تعلق پاکستانیوں سے تھا، جو ہندوستان اور برطانیہ کے بعد تیسرے نمبر پر ہے۔ درحقیقت دبئی جہاں ہماری حکمران اشرافیہ نے کثیر سرمایہ کاری کر رکھی ہے، کی پراپرٹی مارکیٹ دو سالوں سے بدستور گرتی چلی جا رہی ہے۔ وہ اس سے نکلنا چاہتے ہیں۔ اس کا ایک مؤثر طریقہ یہی ہے کہ پاکستانیوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ دبئی میں سرمایہ کاری کریں اور ٹیکس نیٹ بڑھانے کا ہتھیار اس تناظر میں مؤثر ترین ہے۔

حضرت شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کا عصری شعور

پروفیسر امجد علی شاکر (سابق پرنسپل اسلامیہ کالج، ریلوے روڈ لاہور)

26/ویں ستمبر 2012ء کا ایک گرم دن تھا اور ہم کوئینز روڈ سے ذرا ہٹ کر ایک بڑے گراؤنڈ میں نمازِ جنازہ کے لیے صفیں باندھے کھڑے تھے۔ کوئینز روڈ پر مختلف شہروں سے آئی ہوئی بسیں دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ مختلف شہروں سے لوگ آئے ہیں۔ ہم کھڑے تھے اور کچھ پتا نہیں چلتا تھا کہ جنازہ کب ہوگا۔ کسی کو جلدی بھی نہیں تھی۔ یہاں ہر شخص اُداسی میں بھیگا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ زیادہ تر لوگ چپ چاپ کھڑے تھے۔ نئے لوگ آ رہے تھے، مگر دھکم پیل کا کوئی تصور بھی نہیں تھا۔ اتنے بہت سے لوگ اور منظّم، کچھ جنازے کے تقاضے تھے اور کچھ جانے والے کا احترام تھا۔ زیادہ دیر ہوگئی تو لوگ صفوں سے ہٹ کر اِدھر اُدھر جمع ہونے لگے۔ ایک صف میں نوجوان صف بستہ کھڑے تھے اور ایسے کھڑے تھے جیسے زمین میں گڑے ہوئے ستون ہوں۔ انھوں نے ہاتھوں میں ہاتھ دیے ہوئے تھے۔ یہ انداز بتا رہا تھا کہ لوگ یہاں سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ میں ان نوجوانوں کو دیکھتا رہا تو یہ سوچ کر اُداس ہوگیا کہ ان میں کوئی میرا شناسا نہیں تھا۔ میں سوچنے لگا کہ ہم جس شخصیت کے جنازے میں شریک تھے، اُس نے نوجوانوں کو ہی مخاطب کیا تھا۔ میں جب اس شخصیت سے ملا تھا، اس وقت میں بھی نوجوان ہی تھا۔ آج میں بڑھاپے کی حدود میں داخل ہو چکا تھا اور وہ شخصیت اس دنیا کو خیر باد کہہ کر اگلے جہان کو سدھار رہی تھی۔ آخر وقت تک وہ نوجوانوں سے مخاطب رہی۔ اُس شخصیت کا نام مولانا سعید احمد تھا۔ آبائی قصبے اور اکابر کی خانقاہ کی نسبت سے وہ رائے پوری تھے۔ ہم لوگ انھیں احتراماً ''حضرت'' کہتے تھے۔ اُن کی نسبتیں اور احترامات بہت سے لوگوں کو یہاں کھینچ لائے تھے۔ یہ لوگ اُداس اور غم زدہ تھے۔ میں انھی غم زدہ اور اُداس لوگوں میں سے ایک تھا۔

1970ء کی دہائی کے اوائل کی بات ہے کہ میں مولانا سعید احمد رائے پوریؒ سے متعارف ہوا۔ میں نے ایک دینی گھرانے میں آنکھ کھولی تھی۔ ابتدائی عمر میں ہی میرا مزاج دینی تو تھا، مگر میں ظلم سے شدید نفرت بھی کرتا تھا۔ 1970ء کے انتخابی عمل نے معاشرے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا: دائیں طرف کے لوگ اور بائیں سمت کے لوگ۔ کالج میں اسلامی جمعیت طلبا اور این ایس ایف نظر آتے تھے۔ میں نے جمعیت علمائے اسلام کو ترجیح دی کہ اس میں میری دین داری بھی محفوظ تھی اور ظلم و استحصال سے نفرت کے جذبے کی تسکین بھی ہوتی تھی۔ جمعیت العلما کے حلقے کے طلبا نے جمعیت طلبائے اسلام کی بنیاد ڈالی تو میں بھی ان لوگوں میں شامل ہوگیا۔ مولانا سعید احمد رائے پوریؒ جمعیت کے سرپرست تھے اور اُس کے بنیاد گزاروں میں شامل تھے۔ مولاناؒ ہم لوگوں کے لیے بہت کچھ تھے؛ سرپرست، نظریہ ساز، مفکر اور بہت کچھ۔ وہ سرگودھا کے رہنے والے تھے، مگر وہ ہمارے ہر اہم اجلاس میں شریک ہوتے۔ اجلاس کی کارروائی میں خاموش رہتے۔ جہاں ضرورت ہوتی، بات کرتے، مگر عموماً ہم ہی بولتے اور بہ ظاہر ہم ہی فیصلے کرتے۔ ویسے فیصلے کون سے اہم ہوتے تھے، یہی کہ مرکزی کنونشن کب ہو اور کہاں ہو۔ صوبائی اجلاس کب ہو۔ عہدے داران کون لوگ ہوں۔ سرپرست تو مولانا ہی تھے۔ اُن کی سرپرستی مستقلاً چلتی رہی۔ ہم نے دیکھا کہ 56- میکلوڈ روڈ پر واقع جمعیت طلبائے اسلام کا دفتر اُن کے دم قدم سے آباد ہے۔ جمعیت العلما کے لوگوں نے بعض علما کے ذمے یہ فریضہ سونپا کہ وہ اس دفتر کو رونق بخشیں، مگر کوئی بھی عالم زیادہ دنوں تک یہاں نہ آ پایا۔ مولانا محمد اجمل خاں مرحوم کا درسِ قرآن شروع ہوا، مگر وہ دو چار بار درس دے کر بس کر گئے۔ مولانا سعید احمد رائے پوریؒ کی آمد یہاں مستقلاً جاری رہی۔ یہاں کوئی عالم دین مولاناؒ سے ملنے آیا ہو تو اَور بات ہے، وگرنہ طلبا کی سرپرستی کی غرض سے کسی عالم نے یہاں تشریف آوری کی تکلیف گوارا نہیں کی۔

مولانا سعید احمد صاحبؒ بڑے باپ کے بیٹے تھے۔ علما کے حلقے میں محترم اور مکرم خیال کیے جاتے تھے، مگر وہ ہمارے ساتھ رہتے ہوئے ہماری طرح زندگی گزارتے تھے۔ فرش پر سونا، سادہ خوراک کھانا، ہم میں مل جل کر رہنا اور گھلے ملے رہنا۔ بڑے ہونے کو ہم تسلیم تو کرتے تھے، دل سے اُن کا احترام بھی کرتے تھے، مگر اُن کے کسی قول یا فعل سے اس بات کا اظہار نہ ہوتا تھا کہ دیکھو میں بڑا ہوں۔ بہت اہم آدمی ہوں۔ مجھے بڑا مانو۔ میری اہمیت کو تسلیم کرو۔ بہر حال اُن کے کسی عمل سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ وہ کہہ رہے ہوں کہ میں بڑا آدمی ہوں۔

مولانا سعید احمد رائے پوریؒ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی عظمت کے روایتی قصے سنانے کی بجائے یہ کہتے کہ اُن کے افکار کو سمجھو۔ اُن کے افکار کی اپنے عہد میں معنویت تلاش کرو اور بس۔ مولانا سعید احمد رائے پوریؒ حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کے نیشنل ازم اور مولانا سندھیؒ کے معاشی افکار کے بارے میں بڑے واضح تھے۔ میں نے علما کو دیکھا کہ وہ حضرت مدنیؒ اور حضرت سندھیؒ سے عقیدت رکھتے ہیں، مگر ان کے افکار کے بارے میں زیادہ تر تردّد نہیں کرتے۔ افغان جہاد شروع ہوا۔ مولانا سعید احمد رائے پوریؒ اور اُن کے رفقا اس جہاد سے ایک فاصلے پر رہے۔ مولاناؒ نے جہادیوں کا سارا جاہ و جلال دیکھا، مگر کبھی ان سے متأثر نہ ہوئے۔ مولاناؒ کی فکری اور ذہنی تربیت کا فیض تھا کہ ہمیں ایک لمحے کو بھی شک نہیں گزرا کہ یہ ''جہادی'' واقعی جہاد کے لیے نکلے ہیں۔

1977ء میں بھی خوب مذہب مذہب کھیلا گیا۔ مذہبی نعرے خوب لگائے گئے۔ ان نعروں سے بڑے بڑے متأثر ہوگئے۔ آخر کو پچھتانا پڑا۔ ان نعروں سے اگر کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی تو وہ مولانا سعید احمدؒ کے تربیت یافتہ تھے۔ کیا مجال کہ کسی نے بھولے سے بھی قومی اتحاد سے کوئی امید باندھی ہو۔ مولانا سعید احمد رائے پوریؒ کے ساتھی قومی اتحاد کی تشکیل میں عالمی قوتوں اور مخفی ہاتھوں کا تذکرہ یوں کرتے، جیسے کھلی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہے ہوں۔ (بقیہ صفحہ 10 پر)

خطبات و بیانات

افادات: حضرت مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ
جانشین حضرت رائے پوری رابعؒ و مسند نشین خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ۱۰ر ذوالحج ۱۴۳۶ھ/ 25ر ستمبر 2015ء بروز جمعۃ المبارک کو ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور میں نمازِ عیدالاضحیٰ کے شرکا سے خطاب فرمایا، جس کے چند اہم اقتباسات درجِ ذیل ہیں:

مکۃ المکرّمہ کی بڑی بنیادی شان امن و امان ہے

''معزز دوستو! آج عیدالاضحیٰ کا مبارک دن ہے۔ عیدالاضحیٰ کا دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عظیم جدوجہد کی یاد تازہ کرتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے۔ یہ ہماری عید کا دن ہے۔'' نبی اکرمؐ نے عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کو مسلمانوں کی عید قرار دیا ہے۔ ہر قوم اپنی عید کے موقع پر اپنے بنیادی فکر اور نظریے کے پھیلاؤ اور فروغ کے لیے کام کرتی ہے۔ جس نظریے کے ساتھ اس کی وابستگی ہوتی ہے، اُس کے غلبے اور بالادستی کے ذریعے اس کو فروغ دینے کے لیے کام کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں عیدیں دراصل ابراہیمی تحریک کے آغاز اور اُس کے اختتام کی یاد دلاتی ہیں۔ ابراہیمی تحریک جس کا آغاز حضرت ابراہیمؑ نے کیا تھا اور جس کی تکمیل حضرت محمد مصطفیٰؐ نے کی تھی، اس آغاز کی ابتدا آزادی اور حریت کی یاد دلاتی ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے انسانوں کو جھوٹے خداؤں، سامراجی اور طاغوتی قوتوں سے آزاد کر کے اللہ وحدہٗ لاشریک کی طرف یکسو ہو کر متوجہ کرنے کی حنفی تحریک شروع کی اور اس کے لیے ایک مرکز مکۃ المکرّمہ تشکیل دیا۔ اسی طرح مکہ کے گرد و پیش میں شعائر اللہ کی عظمت کی یاد کے لیے یہ دن منایا جاتا ہے۔ اس کے گرد و نواح میں مزدلفہ، منیٰ اور عرفات ایسے مقامات ہیں جو انسانی تاریخ میں انسانیت کی بالادستی کے لیے مراکز کے طور پر ہمیشہ تاریخ انسانی میں یاد رکھے جائیں گے۔

مکۃ المکرّمہ کی بڑی بنیادی شان امن و امان ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ: ''سب سے پہلے گھر جو کرۂ ارض پر ہم نے بنایا، وہ برکت والا مقام بیت اللہ الحرام ہے۔'' (96:3) اس کی برکت پوری انسانیت پر اپنا فیضان نازل کرتی ہے۔ اس جگہ کو اللہ نے انسانیت کے لیے امن کا مقام بنایا ہے۔ یہ دنیا میں امن و امان قائم کرنے کا سب سے پہلا مرکز ہے۔ اس کی بالادستی قائم کرنے، امن کے اس نظریے کو کل انسانیت میں فروغ دینے کی بین الاقوامی تحریک امامِ انسانیت حضرت ابراہیمؑ سے شروع ہوتی ہے۔ حضرات ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے اپنے گھر سے جو قربانی کا آغاز کیا، اس کی یاد میں عیدالاضحیٰ ہے۔ اور اسی آزادی اور حریت کے فکر و نظریے کے پھیلاؤ کی تکمیل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے کی ہے، جس کی یاد میں عیدالفطر منائی جاتی ہے۔''

قربانی کی حقیقت: اللہ کی بڑائی کا اعلان ہے

حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا:

''آج ہم ابراہیم علیہ السلام کی اس سنت کو تازہ کرنے کے لیے عیدالاضحیٰ منا رہے ہیں۔ قربانی کا یہ دن اس حقیقت کی نشان دہی کرتا ہے کہ ہم صرف اللہ کی بڑائی کا اعلان کریں۔ کوئی فرعون، نمرود، ہامان، قارون، کوئی بت، یا کوئی بھی اَور مخلوقات میں سے بڑائی کا سزاوار نہیں ہے۔ ہر حکمران خواہ وہ کسی بھی سطح کا ہو، اگر امن کی بنیادی قدر کو نہیں مانتا، اُس کی حکومت قبول نہیں کی جاسکتی۔ کیوں کہ اس سے بالاتر جو اللہ کی اتھارٹی ہے وہ عدل اور امن چاہتا ہے۔ یہ اصول اور دستور ہے کہ ہر ذیلی اور ضمنی اتھارٹی کا حکم اُسی وقت قابل قبول ہوتا ہے، جب اُس سے بالاتر اتھارٹی کے حکموں کے مطابق ہو۔ ہر قوم میں جو آئین اور دستور، قاعدہ اور ضابطہ طے کر دیا جائے اور جو خُلق اور قدر طے ہو جائے، اُس کی خلاف ورزی کسی بھی افسر یا حکمران کے لیے درست نہیں ہے۔ کائنات کا نظام چلانے والی ذاتِ باری تعالیٰ نے اس کا جو آئین بنایا ہے، قانون تشکیل دیا ہے، احکاماتِ الٰہیہ جاری کیے ہیں۔ فرامین شاہی انبیا علیہم السلام کے ذریعے سے جاری ہوئے ہیں، اب دنیا کا کوئی حکمران اُس کی خلاف ورزی کرے، یہ قابل قبول نہیں ہے۔ یہ اس تکبیر تشریق کا بنیادی مقصد ہے اور یہ صرف عیدالاضحیٰ کے دن ہی نہیں، بلکہ پانچ دن مسلسل تکبیراتِ تشریق اَللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر وَ لِلّٰہِ الْحَمْد کے ذریعے سے ہر نماز باجماعت کے بعد اللہ کی بڑائی کا اعلان کرنا ہے۔ اللہ کے ساتھ اس تعلق کے اعلان کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسانیت میں عدل و انصاف اور امن و امان کے قیام کے لیے جو بھی جدوجہد اور کوشش کی جائے گی، اُس کے لیے یہ اعلان کرنے والا اپنی جان مال قربان کرنے کا عزم کرے گا۔

عیدالاضحیٰ کے روز ایک مسلمان کو قربانی پیش کر کے اس بات کا ثبوت مہیا کرنا ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ سچے تعلق میں پختہ اور پُرعزم ہے۔ اُس کے لیے اُس کو جان مال بھی قربان کرنا پڑا تو ضرور قربان کرے گا۔ جان کی قربانی پیش کرنے کا عزم جانور کی قربانی کی صورت میں کیا جائے گا۔ جب انسانیت کے لیے امن قائم کرنا ہے تو انسانیت کو قربان تو نہیں کیا جائے گا۔ پُرانے زمانے میں جو رسم موجود تھی کہ دیوی دیوتا کے لیے نوجوان لڑکے لڑکیوں کی قربانی دی جاتی تھی۔ پتھروں اور بتوں پر سالانہ اپنی قوم کے اچھے اور عمدہ نوجوان لڑکے لڑکیوں کی قربانی کا دستور تھا۔ ابراہیمی تحریک نے آکر اُس سے اعلانِ بغاوت کیا کہ انسان کی تکریم کے لیے تو کام کرنا ہے۔ اور اگر انسان ہی کو مارنے لگے، اُسی کو ذبح کر دیا جائے، اُسی کا خون دیوتا پینے لگ جائیں تو انسانیت میں امن کیسا!۔ اس لیے امن قائم کرنے والی جماعت کے لیے لازمی ہے کہ وہ اپنی جان کا عوض اپنے مال کے ذریعے سے جانور خرید کر اُسے اللہ کے راستے میں قربان کر کے اپنے اس عزمِ مصمم کا اعلان کرے۔ کیوں کہ جان کا تحفظ قائم کیے بغیر امن قائم نہیں ہوسکتا۔''

قربانی کا مقصود: دلوں کو پاکیزہ بنانا ہے

حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا:

''عیدالاضحیٰ کے دن جانور کی قربانی کے ذریعے سے اپنے دل کو پاکیزہ بنانا اصل مقصد ہے۔ محض گوشت کھانا مقصد نہیں، بلکہ دلوں کا تقویٰ مقصود ہے۔ صاف طور پر اللہ پاک نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمادیا کہ: اللہ کو ذبح کیے ہوئے جانور کا نہ تو گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون۔ یہ تو اسی دنیا میں رہ جاتا ہے۔ گوشت تو آپ کو کھانے کے لیے دے دیا گیا۔ اصل چیز اس ذبیحے کے پیچھے دل کا تقویٰ اور عدل ہے۔ اس طرح دل کی کیفیت کا بدلنا ہے۔ (37:15) حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے ''تقویٰ القلوب'' کا ترجمہ ''دلوں کا ادب'' کیا ہے۔ یعنی دل مہذب بن جائے۔ دل کی جذباتیت میں ٹھہراؤ آجائے۔ عقل کے بڑھے ہوئے دنیاوی تفکرات میں اعتدال پیدا ہوجائے۔ نفس کی خواہشات کنٹرول ہوجائیں۔ یہ دلوں کا ادب ہے۔ ادب ہمیشہ تہذیب کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ دلوں کا تقویٰ اور ادب یہ ہے کہ دل مہذب ہوجائے۔ یہ تہذیب اس حوالے سے ہے کہ انسانی معاشرے میں بدامنی دل کی بڑھی ہوئی خواہشات سے پیدا ہوتی رہتی ہے۔ ایک آدمی کے اندر ہوس پیدا ہوگئی۔ دوسرے کا مال لوٹنا چاہتا ہے۔ بدامنی کو فروغ دیتا ہے۔ وہ دوسرے کے حقوق پر ڈاکہ ڈالے گا۔ دوسرے کے مال پر قبضہ کرے گا۔ سگا بھائی، بھائی کے حقوق پر، اس کی جائیداد پر قبضہ کرنے کی فکر کرے گا۔ تو دل کا یہ اپنے دائرے سے باہر نکلنا ہے۔ بدامنی کرنا ہے۔ ناانصافی کو فروغ دینا ہے۔

دلوں کا تقویٰ یہ ہے کہ بڑھی ہوئی خواہش کا سر قلم ہوجائے۔ جانور ذبح کرتے ہی دل پر چھری چلے۔ دل کی خواہشات دم توڑ جائیں۔ ظلم کی سوچ اور نظریہ ختم ہوجائے۔ عدل وانصاف کی سوچ پیدا ہوجائے۔ امن وامان اُس کی زندگی کا حصہ بن جائے۔ بدامنی کی سوچ اُس کے دل سے کٹ کر گر جائے۔ جیسے ہی خون بہے، جانور پر چھری چلائی جائے تو دل کی یہ تمام چیزیں کٹ کر علاحدہ ہوجائیں۔ عربی میں ادب اور تہذیب اس کو کہتے ہیں کہ جب کوئی مالی پودے کی بڑھی ہوئی شاخوں کو کاٹ کر اُسے بہتر شکل دیتا ہے۔ پودے جب اُگتے ہیں تو اُن کو بڑھی ہوئی شاخوں کو کاٹ کر انھیں ایک مہذب شکل دیتا ہے۔ اسی طرح انسانی دل میں حد سے بڑھی ہوئی خواہشات کو قربانی کی قینچی سے کاٹ دیا جائے تو وہ دل کا مہذب ہونا ہے۔ اس کو کہتے ہیں تہذیب۔ اور اسی کو کہتے ہیں ادب۔ دلوں کا ادب یہ ہے کہ دل میں جو خواہشات کی بہت ساری شاخیں اُگی ہوئی ہیں، ظلم اور ناانصافی کے خیالات پنپ رہے ہیں، دلوں کے اندر جو بدامنی، قتل وغارت گری کے جذبات بیدار ہوئے ہیں، اس قربانی کے ذریعے سے انھیں ختم کردیا جائے۔ قربانی کے جانور پر پھرنے والی چھری کو سامنے رکھتے ہوئے خواہشات کو کاٹ دیا جائے۔ قرآن حکیم نے قربانی کا مقصد واضح کردیا کہ اس کے نتیجے میں دلوں میں ایسا ادب اور تقویٰ پیدا کرنا مطلوب ہے۔''

دینی اعمال کا مقصود: رسم کی بجائے نظم وضبط اور ڈسپلن ہے

حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا:

ذوالحجہ کا مہینہ حج کی ادائیگی کا مہینہ بھی ہے۔ اس حوالے سے حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ''زمانہ آنے والا ہے کہ مال دار لوگ سیر وتفریح کے لیے حج کریں گے۔'' بظاہر بڑا اچھا عمل ہے، لیکن نیت یہ ہے کہ گیارہ مہینے کام کرتے ہوئے ہوگئے، اب تھکاوٹ کے لیے کہیں سیر وتفریح پر جانا ہے، مذہبی آدمی ہیں۔ اب لندن امریکا جانہیں سکتا، تو چلو مکہ کی سیر کرآئیں۔ حج کا اجر بھی مل جائے اور سیر وتفریح بھی ہوجائے۔ دوسری بات آپؐ نے یہ فرمائی: ''میری اُمت کے درمیانے لوگ کاروبار کے لیے حج پر جائیں گے۔'' یہاں سے بھی مال بھر کر لے گئے بیچنے کے لیے اور وہاں سے بھی مال خرید کر لائے۔ مقصد صرف تجارت ہے۔ نفع کا نفع اور حج کا حج۔ تیسری بات حضورؐ نے فرمائی: ''میری اُمت کے قاری، پیر اور مولوی دکھاوے اور سناوے کے لیے حج کریں گے۔'' کہ مریدوں کو پتہ چل جائے فلاں پیر صاحب بیسواں یا تیسواں حج کرنے کے لیے گئے۔ حضورؐ نے چوتھی بات یہ فرمائی کہ: ''میری اُمت کے فقیر بھیک مانگنے کے لیے حج پر جائیں گے۔'' یہ چار باتیں حضور ﷺ نے ارشاد فرمائیں۔

ذرا تصور کریں کہ آج حج کے لیے جانے والے اکثر کیا انھیں مقاصد کے لیے نہیں جاتے؟ آپ دیکھیے کہ جو بات حضورؐ نے فرمائی، وہ کس طرح درست ثابت ہوئی۔ دلوں کی یہ خرابی دراصل سوسائٹی کے اندر تباہی اور بربادی پیدا کرتی ہے۔ حج کا یہ مہینہ اور قربانی کا یہ دن دراصل انھی خواہشات کو ختم کرنے کا نام ہے۔ عبادات کے نتیجے میں دل کی حالت بدلنی چاہیے۔ نیت درست ہونی چاہیے۔ عزم صحیح ہونا چاہیے۔ دلوں کی خواہشات کنٹرول ہوں، اس کے اندر اللہ کے ساتھ سچے تعلق کا جذبہ بیدار ہو، انسانی خدمت کا جذبہ ہو۔

جب تک اپنے دلوں میں عدل، تقویٰ، تربیت، انسانی خدمت کے جذبے کو پیش نظر رکھ کر ان ایام کے اعمال نہ کیے جائیں اُس وقت تک پورا نتیجہ نہیں نکلتا۔ آج کے اس دن میں ہمیں عزم کرنا ہے کہ اللہ ہماری دلوں کی حالت کو بدلے۔ اجتماعیت قائم ہو۔ انفرادیت کی سوچ سے نکلیں اور دین حق کی ان بنیادی اقدار کو اپنی سوسائٹی پر غالب کرنے کے نقطہ نظر سے جدوجہد اور کوشش کا عزم کریں۔ مسلمان کی حکومت اتنی لازمی اور ضروری نہیں، جتنی اسلام کی حکومت لازمی اور ضروری ہے۔ ہم محض رسمی مسلمانوں کی حکومت بنانا چاہتے ہیں۔ وہ مسلمان بداخلاق ہوں، بدنیت ہوں، انسان دشمن ہوں، سامراجی قوتوں کے ایجنٹ ہوں، سرمایہ داروں کا نمائندہ ہو تو ہم اُسے قبول کرلیتے ہیں کہ مسلمان حکمران تو ہے نا۔ نہیں! اسلام کی اقدار جو امن، معاشی خوش حالی، سوسائٹی کی ترقی کی جو بنیادی سوچ اور نظریہ ہے، اُس کا فروغ، اس کا عملی نظام قائم کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ اور یہ تبھی ہوگا کہ جب ہم اس نظریے اور سوچ کے ساتھ اپنے تمام دینی اور مذہبی اعمال کریں اور اپنے اندر وہ نظم وضبط اور ڈسپلن پیدا کریں جو انسانیت کی ترقی کے لیے کردار ادا کرتے ہیں۔''

عظمت کے مینار

وسیم اعجاز، کراچی

امامِ دوراں حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو تخلیق کر کے اس کی رہنمائی کا بھی مستقل انتظام کیا۔ ابتدائی ادوار میں انبیائے کرام علیہم السلام نے انسانیت کی رہنمائی اور انسانی فطرت کی تہذیب کی۔ بعد ازاں صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور اولیاء اللہؒ اس کام کو کرتے رہے۔ اس پورے تسلسل میں ایک بات مشترک رہی، اور وہ یہ کہ رہنمایانِ اُمت کا طرزِ مروّجہ انداز واُسلوب سے مختلف رہا۔ اس دور کے سطحی اندازِ فکر سے منفرد اُسلوب ہی ان رہنماؤں کا طرۂ امتیاز رہا۔ 26 ستمبر 2012ء کو دنیا ایک ایسے ہی رہنما سے محروم ہوگئی، جس نے انبیائے کرامؑ کے اُسوہ کو اختیار کر کے وطنِ عزیز کے نوجوانوں کی تربیت کا آغاز فرمایا۔ میری مراد امامِ دوراں حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ ہیں۔

حضرت اقدسؒ نے اپنے فکر وعمل کی بنیاد ولی اللّٰہی علوم ومعارف اور فکر وفلسفے پر رکھی۔ یقیناً حضرت اقدسؒ نے جس دور میں اپنے عملی کام کا آغاز فرمایا، اس دور میں عوام وخواص کا اندازِ کار رسمیت اختیار کر چکا تھا۔ سوچ میں رسمیت، عمل میں سطحیت، معاملات میں عامیانہ انداز اس دور کا وطیرہ بن چکا تھا۔ انھوں نے اس رسمی اور سطحی انداز کی نفی فرمائی اور نوجوانوں کو دین اسلام کی سچی تعلیمات کو غالب کرنے کا نظریہ دیا۔

حضرت اقدسؒ نے نوجوانوں کی حقیقی تعلیم وتربیت کا انداز اختیار کیا۔ اس مقصد کے لیے اداروں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جہاں ایسی تعلیم کا آغاز ہوا، جو نوجوانوں کو شعور دیتی ہے۔ قوم کو اپنی تاریخ سے جوڑتی ہے۔ حریت اور آزادی کا جذبہ بیدار کرتی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ نوجوانوں کو بے مقصد تعلیم میں اُلجھا کر اس کی قوتِ عمل کو مضمحل اور فکری انتشار کا شکار کر دیا گیا ہے۔ یہ طریقۂ کار مروّجہ انداز سے مختلف تھا۔ ایسے افراد کو تیار کیا جو مخلص ہیں اور اس تعلیم کو عام کرنے میں انتہائی دیانت داری سے کام کر رہے ہیں۔

حضرت رائے پوریؒ اکثر اپنی گفتگو میں لارڈ میکالے کا حوالہ دیتے تھے کہ: اسی نے اس مروّجہ تعلیم کا آغاز کیا، جس میں سرکار کی اعانت کے لیے کل پُرزے ڈھالے جاتے ہیں۔ اس نظامِ تعلیم کو شعور سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ انھوں نے ہمیشہ یہی بات سکھائی کہ حقیقی تعلیم غلامانہ ذہنیت پر مبنی فلسفہ، طرزِ زندگی اور تہذیب کو بدل کر قومی غیرت، بلند جذبہ، انسانی ہمدردی اور ترقی کا شعور اور دشمن کی پہچان پیدا کرتی ہے۔

حضرت اقدسؒ نے مروّجہ غلط سوچ کی بہ بانگِ دہل نفی فرمائی۔ اور فرمایا کہ: ''سرمایہ دارانہ نظام کو قبول کر کے اس پر اکتفا کر لینا ہی دراصل اَخلاقیات کی تباہی ہے۔'' ان کا تجزیہ یہی تھا کہ جب قوم پر ایسا نظام مسلط ہو جائے، جس میں غریب لوگ زیادہ ہوں تو یہ بہت زیادہ خطرے کی بات ہے۔ اسلام طاغوتی، سرمایہ داری، جاگیرداری کے سرداروں کا مخالف ہے۔ آج پاکستان میں اللہ تعالیٰ نے وافر مقدار میں خزانے رکھے ہیں، لیکن عوام اس کے ثمرات سے اسی لیے محروم ہیں، کیوں کہ سرمایہ دارانہ نظام ان وسائل پر مسلط ہے۔

حضرت اقدسؒ نے اسلام کے جامع تصورِ حیات کا تعارف کروایا۔ دین کے مکمل فہم اور شریعت، طریقت اور سیاست پر مشتمل جامع تصورِ حیات کا شعور دیا۔ اسلام کو محض چند وظائف اور رسوم میں قید کرنے کی بجائے اس کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی تعلیمات کو عام کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ: ''دین کی طاقت وہ ہے، جو نظامِ ظلم کے خلاف ایک فکر رکھتی ہو اور اس ظلم کے مقابلے کے لیے تیار ہو۔'' انھوں نے مذہبی بنیاد پر نفرتوں کو ختم کرنے کی تعلیم دی۔ فرقہ واریت ان کی نظر میں زہرِ قاتل ہے۔ اس کو ختم کیے بغیر حقیقی مذہب کو اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ: ''آپس کے تفرقے کو ختم کرو۔ مشترکہ اعلیٰ مقاصد اپناؤ اور اپنی طاقت کو ضائع نہ کرو۔'' جس وقت مروّجہ دینی طبقہ علاماتِ قیامت کی بات کر کے رسمی انداز اختیار کرنے پر زور دے رہا تھا، اس وقت حضرتِ اقدسؒ معاشرے سے گراوٹ کو ختم کر کے اس میں تبدیلی پیدا کرنے کی جانب رہنمائی فرما رہے تھے۔ مذہبی طبقے کی آلہ کاری کے کردار کو رد کرتے ہوئے وہ فرماتے تھے کہ: ''سامراجی طاقتیں قوموں کو غلام بنانے اور ان کی اقتصادیات کو تباہ کرنے اور اپنی طاقت کو برقرار رکھنے کے لیے مذہبی طبقے کو استعمال کرتی ہیں۔''

حضرت اقدس رائے پوریؒ نے قرآن حکیم کی عظمت اور انقلابی حکمت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''دنیا اور آخرت کی کامیابی دراصل اس کتاب پر مکمل طور پر عمل کرنے سے ہے۔ آج قرآنِ حکیم کی تعلیمات سے محروم ہونے کی وجہ سے ہی ساری دنیا جہنم بن چکی ہے۔'' قرآنِ حکیم کی تلاوت ان کا روز کا معمول ہوتا تھا۔ وہ سماجی، سیاسی اور معاشرتی مسائل کے حل کے لیے قرآنِ حکیم سے حوالے دیا کرتے تھے۔

حالات تو یہ تھے کہ یہاں نہ سوچ اپنی اور نہ نتائج اپنے، یعنی معاشرے کو ایسے کاموں میں لگا دیا گیا، جس کا کوئی فائدہ اس ملک وملت کو نہیں۔ ماضی میں بھی ہم نے آلہ کاری کا کردار ادا کیا اور پرائی جنگ کو 'جہاد' سمجھ کر لڑتے رہے۔ نوجوانوں کو عجیب رومانویت میں مبتلا کیے رکھا گیا تھا۔ ایسے ماحول میں حق کی بات کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا، لیکن حضرت اقدسؒ نے ہمت کا مظاہرہ کیا اور اس رسمی اور سطحی سوچ کے خلاف آواز بلند کرنے کی ٹھان لی۔ انھوں نے آلہ کاری کے کردار کی شدت کے ساتھ مذمت کی اور جہاد کے نام پر لڑی جانے والی پرائی جنگ سے دور رہنے کی تاکید فرمائی۔ حضرت اقدسؒ نے باوجود مشکلات اور مخالفتوں کے' دہشت گردی کی ہمیشہ پُرزور مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''ہمارا سب سے بڑا مسئلہ دہشت گردی، فرقہ واریت، تنگ نظری اور ایک دوسرے کی قتل وغارت گری ہے۔ آج نوجوانوں کا طرزِ عمل یہ ہونا چاہیے کہ قومی مسائل میں اس کی دلچسپی پیدا ہو۔ اس کے اندر جو انفرادیت پسندی اور نفرت پیدا ہو چکی ہے، وہ ختم ہو۔'' ع

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم!
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے؟

بقیہ حضرت شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کا عصری شعور

مولانا سعید احمد رائے پوریؒ نے ہمیں بتایا کہ اسلام سرمایہ داری سے کسی طرح سمجھوتا کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ہم لوگ امریکی سامراج پر کڑی تنقید کرتے تھے اور یہ بات ہم نے مولانا سعید احمد رائے پوریؒ سے سیکھی تھی۔ ان دنوں مولانا سعید احمد رائے پوریؒ کا یہ جملہ بہت مشہور ہوا، خصوصاً اُن کے مخالفین کے حلقوں میں تو بہت ہی مشہور ہوا کہ:

''کام کے نوجوانوں کو سامراجی مقاصد کے لیے مروایا جارہا ہے۔''

اُن دنوں ان کا یہ جملہ سن کر کتنے ہی لوگ لاحول و لا قوّۃ إلاّ باللّٰہ پڑھتے تھے۔ اب بہت سے لوگ یہ سن کر سوچ میں پڑ جاتے ہیں۔

56- میکلوڈ روڈ مدتوں آباد رہا۔ مولانا سعید احمد رائے پوریؒ کی سرپرستی میں یہ تنظیم مدتوں چلتی رہی۔ تنظیم خاصی سخت جان ثابت ہوئی۔ بہت سے لوگوں کو حیرت ہوئی۔ انھوں نے سوچا تھا ع

ما را ازیں گیاہِ ضعیف ایں گماں نہ بود

(اس کمزور گھاس کے بارے میں ہمارا یہ گمان نہ تھا)

مگر یہ تو تنہا شجر کی طرح آندھیوں کی زد میں رہا اور محفوظ رہا۔ آخر کو تنظیم کے لوگوں نے سوچا کہ اسے وسعت دی جائے۔ تنظیم کو طلبا کے دائرے سے وسیع کر کے ہر عمر اور ہر شعبے کے لوگوں کے لیے عام کر دیا جائے۔ نیز اس کے نظریے اور تعارف کو نام کا حصہ بنا لیا جائے۔ اس سوچ کے نتیجے میں تنظیم فکرِ ولی اللّٰہی وجود میں آئی۔ جمعیت طلبائے اسلام کے نئے پرانے لوگوں نے مل کر تنظیم کی بنیاد رکھی۔ تنظیم میں اب وسعت آرہی تھی۔ نام بدل چکا تھا۔ دائرہ وسیع ہو چکا تھا۔ ہر عمر اور ہر ذہنی سطح کے لوگ تنظیم کا حصہ بن گئے۔ جمعیت طلبا تنظیم تھی، جس میں فکری تربیت ہوتی تھی۔ تنظیم فکرِ ولی اللّٰہی صرف تنظیم نہ رہی، فکری اور عملی مرکز بن گئی۔ فکری اور علمی ادارے وجود میں آئے۔ اب تنظیم کے تحت عملی ادارے بھی ہیں۔ فکری نشستیں بھی ہوتی ہیں۔ لائبریری بھی ہے۔ ماہانہ اور سہ ماہی مجلّات اور میگزینز و کتب کی اشاعت بھی ہے اور پتا نہیں کیا کیا کچھ ہو رہا ہے۔

میرے خیال میں مولاناؒ کے کام کی یہ ابتدائی سطح ہے۔ اُن سے فیض یاب لوگوں اور دوسری جماعتوں میں کام کرنے والوں میں ایک بنیادی فرق یہ نظر آتا ہے کہ ہر مذہبی جماعت کے لوگ خاصے جذباتی ہوتے ہیں۔ اُن کے ہاں نعرے ہیں: ''زندہ باد، مردہ باد، یہ کریں گے، وہ کریں گے، لے کے رہیں گے، مر کے لیں گے، مار کے لیں گے۔'' یہ مار دھاڑ بہت عام ہے۔ مذہبی جماعتوں کے لوگ عموماً دماغ سے نہیں سوچتے۔ وہ رٹے رٹائے فقرے بولتے ہیں۔ آپ کوئی اعتراض کریں، فوراً جواب ملے گا۔ جواب تیار اور حفظ ہو تو دماغ کو سوچنا نہیں پڑتا۔ مولاناؒ نے اپنے ساتھیوں کو سوچنا سکھایا۔ غور کرنا سکھایا۔ نظام کو سمجھنا سکھایا۔ تجزیہ سکھایا۔ ان کے ساتھی عقل مند لوگ ہیں۔ جذباتی لوگ نہیں ہیں۔ مذہبی جماعتوں میں عقیدہ بھی ہوتا ہے، عقیدت بھی ہوتی ہے۔ جذبہ بھی ہوتا ہے، جذباتیت بھی۔ عقل مندی اور عقلیت کا فقدان پایا جاتا ہے۔ مولاناؒ کا ہی ایک قول ہے: ''آج ہمارے ملک میں مذہب کی تعلیم کی بنیاد پر گروہیت تو پیدا کی جاتی ہے، مگر یہ تعلیم دین کے اعلیٰ فلسفے اور اعلیٰ شخصیات کے تسلسل سے بے نیاز ہے۔''

ہم نے مولانا سعید احمدؒ سے جو کچھ سیکھا، جو کچھ سمجھا، میں نے عرض کر دیا۔ میں اپنے محسنوں کا ذکرِ خیر کرتا ہوں تو سکون سا ہوتا ہے۔ شاید میں نے شکر ادا کر دیا ہے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کا ارشاد ہے: ''مَن لّم یشکر النّاس لم یشکر اللّٰہ.'' (جو انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا، وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا۔) میں مولاناؒ کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے سوچ کر جینا سکھایا۔ فکری سطح پر جینا سکھایا۔ حضرت سندھیؒ سے میرا تعارف کرایا۔ ایک لمبے سفر کے آغاز پر مولاناؒ نے میرا ہاتھ پکڑا تھا۔ مجھے رستہ دکھایا تھا۔ اللہ تعالیٰ انھیں اپنی رحمتوں کے جوار میں جگہ عطا فرمائے۔ انھوں نے ہم پر احسان کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ انھیں محسنین میں شامل فرمائے۔ اللّٰھمّ اغفر لہٗ و ارحمہٗ و أنت خیر الرّاحمینo

(نوٹ: اسی مضمون کا مفصل حصہ سہ ماہی ''شعور و آگہی'' لاہور کے جلد نمبر 8 شمارہ نمبر 4 بابت ماہ اکتوبر تا دسمبر 2016ء میں ملاحظہ فرمائیں۔)

بقیہ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی بصیرت

☆ ملک میں دوہرے نظامِ تعلیم سے سخت نالاں تھے اور فرماتے تھے کہ: ''کالج اور مدرسے کے ذریعے ملا و مسٹر کا فرق پیدا کرنا فرنگی دور کی بدترین یادگار ہے۔ آزادی کے بعد ہمیں اپنا قومی نظامِ تعلیم قومی تقاضوں کے مطابق بنانا چاہیے تھا، جو ہمارے اربابِ اقتدار اور نام نہاد دانش ور نہیں کر سکے۔ اور اب ہماری معصوم نسلیں کئی ایک طرح کے نظام ہائے تعلیم کا شکار ہیں، جو اُن کے دل و دماغ میں انفرادیت، جاہ پسندی، مادیت پرستی، فرقہ واریت اور طبقاتیت کا زہر بھر رہے ہیں۔''

الغرض! زندگی کے تمام شعبوں میں ان کے خیالات عصرِ حاضر کے چیلنجز کا جواب ہیں۔ وہ ایک باشعور اور بلند فکر سماجی مفکر تھے۔ اگر صفحات کی تنگ دامنی آڑے نہ ہوتی تو ہم ان کے فکرِ سلیم کے مزید خلاصہ جات پیش کرتے اور پاکستان کی ماضی کی تاریخ و سیاست پر اُن کے بصیرت افروز خیالات سے اس بزم کو سجاتے، لیکن یہ سب کچھ نمونہ از خروارے کے طور پر ہے اور نئی نسل کو ان کے فکرِ مستقیم کی طرف متوجہ کرنے کی خاطر ہے۔

اور یہ بات خوش آئند ہے کہ حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ کی تمام پُرانی تحریریں از قسم خطوط، فرمودات، خطابات و ارشادات حضرت والا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری کی محنتِ شاقہ اور عمدہ ذوق کے طفیل منظرِ عام پر آرہی ہیں۔ ان موجودہ حالات میں دوبارہ حضرت اقدسؒ کے فکر سے استفادہ ضروری ہے۔ ہمیں ان حلقوں سے بھی گزارش کرنی ہے جو کسی فکری مناقشے کے سبب حضرتؒ کی تعلیمات سے عمداً اعراض کرتے رہے، لیکن اب وہ ٹھنڈے دل سے غور و فکر کا ایک نیا سفر شروع کریں اور حضرت اقدس کو پاکستانی دانش میں جو فکری تقدم حاصل ہے، اسے تسلیم کر لیں۔ کیوں کہ حضرت رائے پوریؒ نے سب سے پہلے ان عوارض کی نشان دہی کی ہے، جن زخموں کو آج قوم لیے بیٹھی ہے۔ اگر ان کا مداوا نہ کیا گیا تو خدانخواستہ کہیں یہ کینسر میں تبدیل نہ ہو جائیں۔ (مدیر)

دینی مسائل

احکام ومسائل قربانی

مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

مسئلہ نمبر۱ ہر ایسے مسلمان عاقل، بالغ مرد وعورت پر قربانی کرنا واجب ہے جو عیدالاضحیٰ کے دن مقیم ہو اور صاحبِ نصاب اور مالدار ہو یعنی ساڑھے باون تولہ (52-1/2) چاندی یا اس کی قیمت کے برابر ضرورت سے زائد سامان کا مالک ہو۔ اس مال کی ملکیت پر سال گزرنا ضروری نہیں۔ بلکہ اگر اس دن بھی اتنے مال کا مالک بنا تو اس پر بھی قربانی واجب ہے۔ (شامی۔ص:۶/۳۱۲)

مسئلہ نمبر۲ گھر میں موجود تمام افراد الگ الگ نصاب کے بقدر مالک ہوں تو ہر ایک پر علاحدہ سے قربانی کرنا واجب ہے۔ صرف گھر کے سربراہ کی طرف سے قربانی کر دینا سب کے لیے کافی نہ ہوگا۔

مسئلہ نمبر۳ قربانی فقط اپنی طرف سے کرنا واجب ہے۔ بیوی اور اولاد کی طرف سے واجب نہیں۔ بلکہ اگر نابالغ اولاد مالدار بھی ہو تب بھی اس کی طرف سے قربانی کر دی تو نفل ہو گی، لیکن اس کے مال میں سے قربانی کرنا ہرگز جائز نہیں۔ (عالمگیری ص۱۹۹ جلد۶)

مسئلہ نمبر۴ فقیر، محتاج اور مسافر پر قربانی کرنا واجب نہیں ہے۔ (شرح البدایہ ۴/۴۴۳)

مسئلہ نمبر۵ ایسا قرض دار کہ اس کے پاس موجود مال کے عوض اس کا قرض ادا ہوتا ہو اس پر بھی قربانی واجب نہیں ہے۔ لیکن اگر قربانی کر لے تو ہو جائے گی۔

مسئلہ نمبر۶ قربانی کے جانور شرعاً مقرر ہیں: بکرا، بکری، بھیڑ، دنبہ، گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اونٹ اونٹنی، صرف ان جانوروں کی قربانی درست ہے اور کسی جانور کی قربانی درست نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر۷ قربانی کے لیے گائے، بیل، بھینس، بھینسا کی عمر کم از کم دو (۲) سال، اور اونٹ، اونٹنی کی عمر کم از کم پانچ سال اور باقی جانوروں کی عمر کم از کم ایک سال ہونا ضروری ہے۔ ہاں اگر بھیڑ یا دُنبہ سال بھر سے کم کا ہو لیکن موٹا تازہ اتنا ہو کہ سال والے جانوروں میں چھوڑ دیا جائے، تو فرق محسوس نہ ہو، تو اس کی قربانی بھی ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ چھ ماہ سے کم نہ ہو۔

مسئلہ نمبر۸ گائے، بھینس اور اونٹ میں اگر سات آدمی شریک ہو کر قربانی کر لیں تو بھی درست ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو اور اس کی نیت قربانی کرنے کی یا عقیقہ کی ہو۔ اگر کسی ایک حصہ دار کی نیت صرف گوشت کھانے کی ہو یا تجارت کی ہو، تو کسی کی قربانی درست نہ ہوگی۔

مسئلہ نمبر۹ چھوٹے جانور بھیڑ، بکری وغیرہ میں کئی آدمی شریک نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ایک شخص کی جانب سے ایک ہی جانور ہو سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر۱۰ اگر گائے، بھینس، اونٹ میں سات (۷) آدمیوں سے کم شریک ہوئے، مثلاً پانچ (۵) آدمی یا چھ (۶) آدمی شریک ہوئے اور کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہیں تب سب کی قربانی درست ہے۔ اور اگر آٹھ (۸) آدمی شریک ہو گئے تو کسی کی قربانی صحیح نہیں ہوئی۔ (ایضاً)

مسئلہ نمبر۱۱ اگر کسی آدمی پر قربانی واجب ہے اور اس کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے نے اس کا حصہ گائے وغیرہ میں رکھ دیا تو کسی کی قربانی جائز نہ ہوگی، البتہ اگر نفلی ہو تو جائز ہوگی۔

مسئلہ نمبر۱۲ سات (۷) آدمی گائے میں شریک ہوئے تو گوشت کے سات (۷) حصے بناتے وقت اندازہ سے تقسیم نہیں کرنا چاہیے بلکہ اچھی طرح ٹھیک تول کر تقسیم کرنا چاہیے۔ اگر کوئی حصہ زیادہ یا کم رہا تو سود ہو جائے گا اور گناہ ہوگا۔ (شرح التنویر ص۳۱۰ جلد۵)

مسئلہ نمبر۱۳ قربانی کا جانور صحیح اور بغیر عیب کے ہونا چاہیے۔ لہٰذا ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں جن میں درج ذیل عیب ہوں:

۱۔ اندھا یا کانا ہونا۔

۲۔ بہت بیمار، بہت دُبلا پتلا جس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو۔

۳۔ اتنا لنگڑا کہ صرف تین پاؤں پر چلتا ہو، چوتھے پاؤں سے چل نہ سکتا ہو۔

۴۔ تمام یا اکثر دانت گر گئے ہوں یا سرے سے دانت ہی نہ ہوں۔

۵۔ پیدائشی کان ہی نہ ہوں یا کان تو ہوں لیکن اکثر حصہ کٹا ہوا ہو۔ (البتہ وہ جانور جس کے کان تو ہیں لیکن بالکل ذرا ذرا سے ہیں تو اس کی قربانی جائز ہے)

۶۔ مادہ جانور کے تھن بالکل نہ ہوں یا دوائی وغیرہ لگا کر خشک کر دیے گئے ہوں بھیڑ بکری کا صرف ایک تھن ہو۔ گائے، بھینس اور اونٹنی کے صرف دو تھن ہوں۔

۷۔ جس جانور کا سینگ جڑ سے اکھڑ گیا ہو۔ (البتہ جس جانور کے پیدائشی ہی سینگ نہ تھے یا سینگ تھے اور ان کے خول ٹوٹ گئے تو اس کی قربانی جائز ہے)

مسئلہ نمبر۱۴ ذی الحجہ کی دسویں (۱۰) تاریخ سے لے کر بارہویں (۱۲) تاریخ کی شام (غروب آفتاب) تک قربانی کرنے کا وقت ہے۔ جس دن چاہے قربانی کرے لیکن بہترین دن دسویں (۱۰) تاریخ کا دن ہے۔ پھر گیارہویں تاریخ اور پھر بارہویں تاریخ ہے۔

مسئلہ نمبر۱۵ نمازِ عیدالاضحیٰ ہونے سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر۱۶ اپنی قربانی کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا بہتر ہے۔ اگر خود ذبح کرنا نہ جانتا ہو تو ذبح کے وقت سامنے کھڑا ہونا بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر۱۷ قربانی کا گوشت خود کھائے، اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کرے۔ فقیروں اور محتاجوں کو خیرات کر دے سب جائز ہے، بہتر یہ ہے کہ کم از کم ایک تہائی حصہ خیرات کرے۔

مسئلہ نمبر۱۸ قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو دینا بھی جائز ہے۔

مسئلہ نمبر۱۹ جس نے قربانی کرنے کی نذر مانی پھر وہ کام ہو گیا جس کی نذر مانی تھی تو اب قربانی کرنا واجب ہے۔ چاہے مالدار ہو یا نہ ہو۔ اور نذر کی قربانی کا سارا گوشت فقیروں اور محتاجوں میں تقسیم کرنا ضروری ہے، نہ خود کھائے نہ امیروں کو دے۔

مسئلہ نمبر۲۰ قربانی کی کھال یا اس کی قیمت یا گوشت چربی/ چھیچھڑے وغیرہ قصاب کو ذبح کے عوض دینا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر۲۱ قربانی کی کھال، جانور کے گلے کی رسی وغیرہ سب چیزیں اللہ کے راستے میں خیرات کرنا چاہیے۔ اگر یہ چیزیں فروخت کر دیں تو ان کی قیمت خیرات کرنا لازم ہے۔ البتہ قربانی کی کھال اگر خود استعمال کرے، مثلاً جائے نماز بنا لے تو جائز ہے۔

مسئلہ نمبر۲۲ قربانی کرنے والے کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ یکم ذی الحجہ سے لے کر قربانی سے فارغ ہونے تک حجامت نہ بنوائے تاکہ حاجیوں سے مشابہت ہو جائے۔

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

عیدالاضحیٰ کے احکام ومسائل

مسئلہ نمبر۱ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ عیدالاضحیٰ ہے۔اس دن ہر اس مسلمان پر دو رکعت نماز باجماعت بطور شکریہ کے پڑھنا واجب ہے، جس پر جمعۃ المبارک کی نماز پڑھنا واجب ہے۔

مسئلہ نمبر۲ عیدالاضحیٰ کے دن درج ذیل چیزیں مسنون اور مستحب ہیں:

۱۔ صبح کو بہت سویرے اٹھنا۔ ۲۔ شریعت کے مطابق اپنی آرائش کرنا۔
۳۔ غسل کرنا۔ ۴۔ مسواک کرنا۔
۵۔ عمدہ کپڑے جو پاس موجود ہوں پہننا۔ ۶۔ خوشبو لگانا۔
۷۔ عید کی نماز سے پہلے کوئی چیز نہ کھانا۔ ۸۔ عیدگاہ میں عید کی نماز پڑھنا۔
۹۔ عیدگاہ صبح سویرے جانا۔ ۱۰۔ عیدالاضحیٰ کی نماز اول وقت پڑھنا۔
۱۱۔ عیدگاہ جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر تشریق یعنی
اَللّٰہُ اَکْبَر ،اَللّٰہُ اَکْبَر ، لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ، وَاللّٰہُ اَکْبَر ،اَللّٰہُ اَکْبَر ، وَلِلّٰہِ الْحَمْد
کہنا اور پیدل عیدگاہ جانا۔
۱۲۔ عیدگاہ جس راستے سے جائے دوسرے راستے سے واپس گھر آنا۔

مسئلہ نمبر۳ جہاں نمازِ عید پڑھی جائے وہاں اس دن اور کوئی نماز پڑھنا مکروہ ہے، نماز سے پہلے بھی اور نماز کے بعد بھی، ہاں گھر آ کر نمازِ عید کے بعد پڑھنا مکروہ نہیں اور نمازِ عید سے پہلے گھر میں بھی نفل پڑھنا مکروہ ہے۔

مسئلہ نمبر۴ عورتیں اور جو لوگ کسی وجہ سے نمازِ عید نہ پڑھیں ان کا نمازِ عید سے پہلے کوئی نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

مسئلہ نمبر۵ ایک شہر میں عیدین کی نماز بالاتفاق متعدد جگہوں میں جائز ہے۔

تکبیراتِ تشریق کے احکام

عرفہ یعنی نو (۹) ذی الحجہ سے تیرہ (۱۳) ذی الحجہ تک پانچ (۵) دن ایام تشریق کہلاتے ہیں۔ان ایام میں باجماعت ادا کی جانے والی ہر فرض نماز کے بعد بلند آواز سے ایک مرتبہ تکبیر تشریق یعنی: ''اَللّٰہُ اَکْبَر ،اَللّٰہُ اَکْبَر ،لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ، وَاللّٰہُ اَکْبَر ،اَللّٰہُ اَکْبَر ، وَلِلّٰہِ الْحَمْد'' کہنا واجب ہے۔البتہ عورتیں یہ تکبیر آہستہ آواز سے پڑھیں۔نو (۹) ذی الحجہ نمازِ فجر سے لے کر تیرہ (۱۳) ذی الحجہ کی نمازِ عصر تک ہر فرض نماز کے بعد یہ تکبیرات کہی جائیں گی۔ یہ کل تئیس نمازیں ہوئیں۔نماز کے فوراً بعد یہ تکبیرات کہنا چاہیے۔اگر امام تکبیر کہنا بھول جائے تو مقتدیوں کو چاہیے کہ فوراً تکبیر کہہ دیں۔یہ انتظار نہ کریں کہ جب امام کہے تب کہیں۔نمازِ عیدالاضحیٰ کے لیے گھر سے نکلیں تو راستے میں بلند آواز سے تکبیر تشریق کہنی چاہیے۔نمازِ عیدالاضحیٰ کے بعد بھی تکبیر کہنا بعض ائمہ کے نزدیک واجب ہے۔

طریقہ نمازِ عیدالاضحیٰ

سب سے پہلے یہ نیت کرے کہ ''دو (۲) رکعت واجب نمازِ عیدالاضحیٰ چھ واجب تکبیروں کے ساتھ ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہوں۔''

پہلی رکعت اس طرح ادا کی جائے گی: تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ لے۔امام ومقتدی سبحانک اللّٰھمّ آخر تک پڑھیں۔اس کے بعد امام تین مرتبہ اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور ہاتھ چھوڑ دے، آخری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لے۔مقتدی بھی اس کی اقتدا کریں۔اس طرح تین تکبیرات ادا کی جائیں گی۔ہر دو (۲) تکبیروں کے درمیان اتنا وقفہ ضروری ہے کہ تین (۳) مرتبہ سبحان اللہ کہہ لے اس کے بعد دیگر نمازوں کی طرح قرأت فاتحہ وسورت اور رکوع وسجود کیے جائیں۔

دوسری رکعت میں امام پہلے قرأت کرے گا اس کے بعد پہلی رکعت کی طرح تین (۳) تکبیرات زائدہ ادا کی جائیں اور ہر دفعہ کانوں تک ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیے جائیں، آخری تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑے ہوئے رکوع کی تکبیر کہہ کر رکوع میں جائیں اور سجود کے بعد حسبِ معمول تشہد پڑھ کر نماز مکمل کریں۔

مسئلہ: اگر کسی کو عید کی نماز نہ ملی ہو اور سب لوگ پڑھ چکے ہوں تو وہ شخص تنہا نمازِ عید نہیں پڑھ سکتا۔اس لیے کہ نمازِ عید میں جماعت شرط ہے۔

مسئلہ: اسی طرح اگر کوئی شخص نمازِ عید میں شریک ہو اور کسی وجہ سے اس کی نماز فاسد ہو گئی ہو تو وہ بھی اس کی قضا نہیں پڑھ سکتا، نہ اس پر قضا واجب ہے۔البتہ اگر فاسد ہونے والی نماز میں کچھ اور لوگ بھی شریک ہیں تو پھر پڑھنا واجب ہے۔

خطبہ عیدالاضحیٰ کے احکام: نمازِ عیدالاضحیٰ کے بعد امام دو (۲) خطبے پڑھے گا۔خطبہ پڑھنا سنت ہے اور خطبہ سننا واجب ہے۔یعنی اس وقت آپس میں بولنا، چلنا، پھرنا، اور نماز پڑھنا وغیرہ سب ناجائز ہے۔

ادارہ رحیمیہ لاہور میں اجتماعی قربانی کا انتظام

گزشتہ سالوں کی طرح اس سال بھی ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ مین کیمپس لاہور میں اجتماعی قربانی کا انتظام کیا گیا ہے۔جو احباب اپنے یا اپنے دوستوں اور احباب کے قربانی میں حصص رکھنا چاہیں، وہ ادارہ کے دفتر سے رابطہ کر کے اپنا نام درج کروالیں۔

گائے میں قربانی کا ایک حصہ تقریباً مبلغ=/8,500 روپے کا ہوگا۔

رابطہ برائے حصص قربانی: حافظ محمد شفیق (ناظم دفتر ادارہ)

0321-6455369

قربانی کے موقع پر ادارہ رحیمیہ سے تعاون کریں!

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور سے وابستہ احباب اور معاونین ملک بھر میں ادارہ کے لیے قربانی کی کھالیں جمع کرتے ہیں۔متعلقین اور متوسلین اور دیگر تمام احباب سے درخواست کی جاتی ہے کہ اس سلسلہ میں چرم ہائے قربانی اکٹھا کرنے کے لیے ملک بھر میں ادارہ کے قائم کردہ مراکز میں کارکنان اور معاونین رحیمیہ سے بھرپور تعاون فرمائیں۔

نام معاون ادارہ رحیمیہ: .....

ایڈریس اور رابطہ نمبر : .....

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع وناشر نے اے۔جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔